اخراجات وغیرہ:

1963 کے دوران دارالعلوم کے اخراجات کی تفصیل کچھ یوں تھی:

۱۔ مقامی غریب طلباء اور مسافر طلباء کو منجانب دارالعلوم راشن مہیا کرنا۔
۲۔ موسم سرما میں ہیزم سوختنی، مٹی تیل اور چراغ وغیرہ کے اخراجات۔
۳۔ طلباء کیلئے مفت درسی کتب اور علماء کیلئے مطالعاتی کتابیں مہیا کرنا۔
۴۔ مدرسین کرام اور دیگر عملہ کیلئے مناسب مشاہرہ وغیرہ۔
۵۔ تعمیراتی وترقیاتی منصوبوں، رسائل اور ڈاک وغیرہ کے اخراجات۔
۶۔ لائبریری کیلئے کتب اسلامیہ وعصریہ کی فراہمی کے اخراجات۔
۷۔ طلباء کے علاج کیلئے محکمہ صحت عامہ اور حکماء سے امداد لی جاتی تھی۔ (تعارف نامہ 1963)

میزانیہ دارالعلوم:

60-1959 میں مدرسہ کی کل آمدن مبلغ =/3683 روپے 13 آنے تھی۔ اور کل اخراجات =/2160 روپے 10 آنے اور 9 پائے تھے۔ نیز دارالعلوم میں سال بھر کیلئے خوراک کا بجٹ 98 من غلہ (جو) تھا۔ (جائزہ مدارس عربیہ 1960)

1971 بمطابق 1391 میں مولانا عبدالرحمٰن خلیق عبداللہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے فارغ التحصیل ہوکر پہنچے، اور مبلغ 100 روپے مشاہرے پر مدیر تعلیم کی حیثیت سے کام کرنے لگے۔

1974 بمطابق 1394ھ میں آپ اور مولانا عبدالوہاب صاحب دونوں بوساطت شیخ محمد امان جامی ادارہ بحوث علمیہ ودعوت وارشاد ریاض کی طرف سے یہاں دارالعلوم میں تعینات ہوئے۔ اس وقت خلیق مرحوم نائب مدیر عام اور مولانا عبدالوہاب مدیر تعلیم مقرر کئے گئے۔ اس دور کو دارالعلوم کیلئے نشأت ثانیہ (تعمیر وترقی کا دوسرا دور) نام دیا گیا ہے۔

(جاری ہے)

☆ گوشوارہ نمبر 4 بابت 1959 — از حاجی خلیل الرحمٰن مرحوم
☆ تاریخ دعوت اسلامیہ در منطقہ بلتستان — از مولانا محمد شریف عبدالرحمٰن
☆ غواڑی اور جماعت اہلحدیث — از عنایت اللہ صدیقی غواڑوی
☆ دار العلوم بلتستان کا تعارف نامہ 1964 — از حاجی خلیل الرحمٰن مرحوم

قسط 4

ارض بلتستان

محمد اسماعیل فضلی

☆ بون چھوس کیا ھے؟

تاریخ اس بارے میں کچھ کہنے سے قاصر ہے۔ کیونکہ محققین نے اسے متروک مذہب سمجھ کر تحقیق کرنے کی کوشش نہیں کی۔ البتہ فرینکے نے اپنی کتاب ''ویسٹرن تبت'' میں لکھا ہے کہ یہ مذہب تبت میں شاہی دور سے قبل پورے عروج پر تھا۔ بونپو روایات کے مطابق مہاتما بدھ کی پیدائش سے قبل کا دور معلوم ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے تبتی روایتوں میں 50 ق م سے 416 ق م کا درمیانی عرصہ خیال کیا جاتا ہے۔ مگر اس بارے میں کوئی خاص حوالہ دستیاب نہیں۔

☆ بون چھوس کا بانی:

فرینکے نے لکھا ہے کہ اس کا بانی گرے گرم چھن پو ہے، جنہوں نے منتر بون، نم بون سے آغاز کیا، گلگت کے کاچو سکندر خان نے شین رب میدو کا نام لیا ہے، شین گلگت والوں کو کہا جاتا ہے۔ حالانکہ گلگت میں اس مذہب کے کوئی آثار موجود نہ تھے۔ بون چھوس کا معنی ہے ''بون نامی شخص کا مذہب'' لہذا یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ بادشاہ بوندے پا جو تبت خورد وکلاں یعنی بلتستان ولداخ کا بادشاہ تھا، وہی اس مذہب کا بانی ہے، یا اس نے اسی مذہب کو خوب پھیلایا ہے۔

☆ بون چھوس کے عقائد:

بون چھوس دو طرح کے وجود کا معتقد ہے: ایک وجود مخفی اور دوسرا وجود ظاہری ہے۔ وجود مخفی میں ماورائے مشاہدہ یا ماورائے ادراک ہستیاں ہیں جو خود انسان کو دیکھ سکتے ہیں، انسانی نفع میں ساجھی بن سکتے ہیں۔ لیکن خاص وقتوں اور حالتوں کے سوا انسانی نظریں انہیں دیکھنے سے قاصر رہتی ہیں۔ یہ نفع ونقصان پہچاننے کی کامل قدرت رکھتے ہیں۔ وجود مخفی بھی ہلا اور ہلو میں منقسم ہے۔ ہلا دیوتا کو کہتے ہیں اور ہلو ارواح خبیثہ کو کہا جاتا ہے۔ انہی سے خیر وشر کے امور کو وابستہ کرتے ہیں۔ ہلا کو پوری کائنات میں برتری حاصل ہے اور بلند ترین درجے کا حامل ہے جبکہ ہلو منفی قوت اور شر کا باعث خیال کیا جاتا ہے۔ جس طرح پارسی دین میں یزدان اور اہرمان ☆ کا تصور موجود ہے۔ بون مت کے پیروکار ہلا کی پوجا پاٹ کو مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں۔ یہ دین قدیم یونانیوں کے دین سے ملتا جلتا مذہب تھا۔ ان لوگوں کا عقیدہ تھا کہ ہلا ناراض ہوجائے تو وہ ہلو کے ذریعے انسان کو خوف وہراس اور ذہنی اذیت میں مبتلا کر دیتا ہے۔

انکے ہاں ''ہلا'' کو مذکر اور لائق پرستش مانا جاتا تھا، جبکہ ''ہلامو'' کو مؤنث سمجھتے اور لاثانی حسن وجمال کی مالکہ گردانی جاتی، یعنی جس طرح پری کا تصور موجود ہے، اسی طرح ہلامو کا تصور کیا جاتا ہے، یہ تصور آج بھی لوگوں کے ذہنوں میں راسخ ہے۔ بون چھوس میں قیامت کا کوئی تصور موجود نہیں تھا، اسکی تعلیمات زیادہ تر نفسیاتی تجربوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ جب انسان جنگلوں، ویرانوں یا بیابانوں میں تنہا سفر کر رہا ہوتو ان سے ملاقات ہوتی تھی۔ بون چھوس کے عبادت خانوں کو

☆ آتش پرستوں کی اصطلاح میں یزدان نیکی اور خیر کا خالق اور اہرمان بدی کا خدا ہے۔

''ھلاکھنگ'' کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔اسی نام کے بہت سے مقامات اب بھی موجود ہیں ،مگر کسی عمارت کی شکل میں نہیں ۔ یہ مقامات عموماً ویرانوں میں ہوتے تھے۔ ممکن ہے یہ ھلا کھنگ غاروں کی صورت میں موجود ہوں۔غلام حسن لوبسانگ نے اپنی کتاب ''تاریخ بون'' میں لکھا ہے کہ بون کے چھوسپا ان عبادت خانوں میں اپنے عقیدے کی تبلیغ کرتے ،لوگوں تک بون عقیدے کی تعلیمات عام کرنے کیلئے خاص تہوار مناتے اور یہیں پر عملیات کی بجا آوری کیلئے ریاضت بھی کرتے تھے۔ عبادت یا رسوم کے تین طریقے تھے (۱) ریاضت (۲) ورد (۳) دعائیہ گیتیں ۔ان کے چند اہم تہوار: مےفنگ ،ستروپلا ،سرپا زان وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

ہلا کے پجاریوں کو ھلاجول کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔جبکہ کامل اور بلند اخلاق کے حامل انسان کو برن (barn) کہا جاتا تھا۔جس طرح اسلام میں ولی اللہ کا درجہ ہوتا ہے ۔ اسی طرح بون مت میں برن کا درجہ ہوتا تھا۔بون مت میں (ہوپ پلاہو) یا (ہوپ الاس) کے کلمات مشکلات کے وقت یا اہم کام کی ابتدا میں کہے جاتے تھے۔کندوس کے ایک معمر ترین شخص رحمون نے بتایا کہ ان الفاظ سے طاقت میں اضافہ ہوتا ہے اور کام بخیر وخوبی انجام پذیر ہوتا ہے۔مذکور خود اٹھتے بیٹھتے ان کلمات کا ورد کرتا تھا۔

اگرچہ بلتستان میں قبائلی عصبیتیں نہ ہونے کے برابر ہیں۔قدیم روایتوں ،لوک داستانوں اور سینہ بسینہ چلے آنے والی تاریخ سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ یہاں عرصہ دراز تک جنگ وجدل جاری رہا۔کبھی قبائلی عصبیت کی بنا پر ،کبھی اقتدار کے حصول کی خاطر ،کبھی چراگاہوں اور زمینوں پر قبضے کیلئے اور کبھی لوٹ مار کی خاطر ،ایسے میں بوندے نامی شخص نے مصلح کا کردار ادا کرتے ہوئے ایک تخیلاتی حاکم کا تصور لوگوں کے ذہنوں میں راسخ کیا ،ماورائے احساس طاقت کے خوف نے اس قدر غلبہ پالیا کہ معاشرے سے جنگ وجدل کا لفظ ہی مٹ گیا۔''ھلافو کیسار'' کو اسی نظریئے کا ہیرو مانا جاتا ہے۔

☆بون مت بلتستان میں:

قدیم اور غیر اسلامی تصورات کے مطابق جب زمین نے اپنی جلوہ افروزی کا آغاز کیا۔نمدار زمین پر جنگل پیدا ہوئے۔ درختوں اور ہریالی میں سے جنگلی جانور پیدا ہوئے۔قدیم مذاہب کے پیروکاروں کے مطابق دیوتاؤں کو خیال گزرا کہ اب اس ویران اور سنسان خطے میں انسان کو پیدا ہونا چاہئے۔ چنانچہ دیوتا چن رس رنکس نر بندر کی شکل میں اور دیوی ڈرلما ایک خونخوار مادہ بندر کی شکل میں وارد ہوئے۔انکے اختلاط سے جس نسل نے ترویج پائی وہ نظریہ ارتقاء میں علم طبقات الارض کے فلسفی ڈارون کے نظریہ کے مطابق جسمانی ترقی کرتے کرتے انسان کے درجے پر پہنچ گئی۔☆

اس زمانے میں ہندوستان کے ایک راجہ کے گھر میں جس کا نام منع گیا پا تھا ایک لڑکا پیدا ہوا۔تقریباً ساڑھے چارسو سال قبل مسیح پیدا ہونے والا بچہ عجیب الخلقت تھا۔اسکی پلکیں نیچے سے اوپر تک بند ہوتی تھیں۔ بھوئیں اسکی فیروزہ کی طرح نیلی تھیں ،اسکی پیدائش کے وقت دانت بھی نکلے ہوئے تھے۔ہاتھ کی انگلیاں جھلی سے جڑی ہوئی تھیں۔

☆انسانی تخلیق کے متعلق ڈارون کا یہ نظریہ انتہائی بے بنیاد ہونے کیساتھ ساتھ انتہائی خطرناک بھی ہے۔اکثر کالج اور یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ مسلمان طلباء بھی اس سے متاثر نظر آتے ہیں۔اور بعض اپنے آپ کو ماہر تعلیم کہلانے والے حضرات بھی اس نظریہ کے قائل ہیں ،حالانکہ قرآن وحدیث میں ایسے بے شمار نصوص موجود ہیں ،جن سے اس بے بنیاد عقیدے کی واضح تردید ہوتی ہے تمثیلا لاحصرا چند ایک درج ذیل ہیں:

ا۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ولقد کرمنا بنی آدم﴾ ''ہم نے بنی آدم کو معزز اور مکرم بنایا ہے'' اور تکریم وعزت افزائی کا یہ معنی کسی طور بھی درست نہیں کہ اسکی تخلیق کی ابتداء بندر جیسے ذلیل مخلوق سے ہوئی ہو۔

روایت ہے کہ اسکی جائے پیدائش ضلع گانچھے میں سب ڈویژن تھکس کے موضع پھڑوا میں ہوئی۔ جہاں کے مشرقی طرف پہاڑوں پر راجاؤں کے محلات کے کھنڈرات اب بھی باقی ہیں۔ مہاتما بدھ کے تقریباً ڈیڑھ سو سال بعد پیدا ہونے والے اس عجیب الخلقت بچے کو دیکھ کر اس کے باپ کو یہ خدشہ ہوا کہ مبادا یہ لڑکا بعد میں باعث تکلیف ہو۔

توہمات کے گرداب میں مستغرق باپ نے اس کو اپنے لئے نحس گردانتے ہوئے بچے کو ایک صندوق میں رکھ دیا اور دریا میں بہادیا۔ دریا اسے کچھ دور تک بہا کر لے گیا۔ پھر صندوق وسط دریا میں ایک ابھری ہوئی چٹان پر ٹھہر گیا۔ لوگوں کو بلا کر پتھر مار کر دریا میں بہانے کی کوشش شروع ہوئیں۔ موسم سرما اپنے جوبن پر تھا لہذا گیلی زمین اور دریا کے کنارے پڑے پتھر جم کر یک جان ہوگئے تھے۔ مارنے کیلئے پتھر کا حصول ناممکن ہوکر رہ گیا تھا۔ لوگوں کو تگ ودو میں دیکھ کر بچہ مسکرا رہا تھا۔ لوگ حیران وپریشان تھے۔ کہ چند دنوں کا عجیب الخلقت بچہ اور اس قسم کی مسکراہٹ یوں توہماتی لوگوں کے دلوں پر گہرا اثر پڑگیا۔ وہ لوگ ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے۔ اچانک نومولود گویا ہوا کہ مجھے تو آپ لوگ باؤلے نظر آرہے ہیں، کہ اس شدت سردی میں تو گیلی زمین بھی یخ بن جاتی ہے۔ مگر تم پر بادشاہ کا خوف اس قدر طاری ہے یا تو تم سب عقل سے عاری ہو۔ بچے کی باتیں سن کر لوگوں نے لکڑی کی لمبی بلیوں کا پل بناکر صندوق کو نکال لایا تو حیرت کی انتہا نہ رہی کہ صندوق کے وسط میں سوراخ ہوگیا ہے اور بچے نے سر اوپر نکالا ہوا ہے۔

قارئین کرام! یہ ایسی من گھڑت کہاوتیں ہیں جن کو بنیاد بنا کر لوگ آج بھی خدائے واحد کو چھوڑ کر ان سرابوں کے پیچھے بھاگتے ہیں اور نعوذ باللہ انکو معبود بنالیتے ہیں۔

لوگوں کے مطابق بچے نے بعد میں بتایا کہ تم لوگوں میں اتنا رحم اورحوصلہ نہ تھا کہ کچھ عرصہ صبر کرلیتے۔ کشمیر کے قدیم داستانوں کے مصنف محمد دین فوق کے مطابق یہی وہ بچہ ہے۔ جس نے دعوی کیا کہ میں مہاتما بدھ کی روح ہوں۔ اگر کچھ دن اور صبر کرلیتے تو میرے اندر اتنی قوت پیدا ہوجاتی کہ میں اہل تبت خاصکر تبت خورد کو ہمیشہ کیلئے لالہ وگلزار بنانے اور ساری دنیا میں خوشحال ترین علاقہ بنانے کا اہل ہوتا۔ مگر افسوس ! تم پر بادشاہ کا خوف اس قدر طاری تھا کہ تم نے اپنے اوپر ظلم کئے۔ موضع پھڑوا کے اپو غلام علی نامی معمر ترین شخص نے راقم کو انٹرویو دیتے ہوئے بتایا کہ اس رگیالفو کا محل اونچے پہاڑ کے دامن میں واقع ہے۔ اس کے بعد چین کی طرف سے براستہ درہ سیاچن بڑے لاؤ لشکر کے ساتھ حملہ ہوا، مگر اس رگیالفو نے مختصر فوج اور اپنی ماورائی طاقت کے ذریعے اصحاب فیل کی طرح انہیں انہی گھاٹیوں میں نابود کردیا۔ اور جلال میں آئے

۲۔ اللہ تعالی نے فرمایا ﴿خلقته بیدی﴾ "کہ میں نے آدم کو اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا ہے"۔

۳۔ حدیث "**إن الله خلق آدم على صورته**" یعنی اللہ تعالی نے حضرت آدم کو اپنی موجودہ شکل وصورت پر پیدا کیا"۔

۴۔ آدم کو مٹی سے پیدا کئے جانے کے بارے میں جتنے نصوص ہیں، ان سے بھی اس عقیدے کی تردید ہوتی ہے۔

۵۔ آدم کو پیدا کرنے کے بعد جنت میں داخل کیا گیا ہے، پھر وہاں سے زمین پر اتارا گیا ہے نہ کہ اسکی تخلیق بندر اور کیڑے مکوڑوں سے ہوئی ہے۔

لطیفہ: اسلامیات کے استاد نے تخلیق انسانی کا نظریہ پڑھایا تو ایک بچے نے اٹھ کر کہا: سر! ہمارے ڈیڈی تو کہتے ہیں کہ ہم بندروں کی نسل سے ہیں۔ استاد نے کہا کہ ہم اپنے بارے میں پڑھ رہے ہیں، خاص آپ کے خاندان سے متعلق نہیں۔ [ادارہ التراث]۔

ہوئے بادشاہ نے آگے بڑھ کر چین کے ایک وسیع علاقے پر قبضہ کرلیا۔شاہ چین نے سالانہ گندم اور جو تاوان اور 100 گھوڑے ،100 تلواریں اور 1000 مویشی خراج ادا کرکے اپنے علاقے واپس لے لئے۔موصوف کا کہنا تھا کہ انہیں تاریخ بتاتے ہوئے لداخ کےلامہ اولدے شنگ نے بتایا کہ بادشاہ مذکور عام حالات میں عجیب الخلقت شکل وصورت میں رہتا تھا۔مگر خاص صورت حال کے وقوع پذیر ہونے یا کسی غمی یا خوشی کے حالات کے آثار کے ساتھ اسکی شکل میں تبدیلیاں آتی رہتی تھیں۔ ابتدائی عمر میں ہی بڑا زیرک،نڈراور بلندصفات کا حامل تھا۔ اس نے بدھ مت کو تمام تبت میں عروج تک پہنچانے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ اس کے عہد میں بدھ مت کاشغر اور گلگت تک پھیلا۔اس کے بارے میں بہت سی حکایتیں مشہور ہیں۔

موضع دم سم اور سینو کے درمیان ایک وسیع علاقہ ہے،لوگوں کا کہنا ہے کہ بادشاہ مذکور کے عہد میں جنات سے تعلق رکھنے والی ماں اور بیٹی نے بادشاہ کیلئے باغ بنانے کی غرض سے یہاں''کیلٹا'' (یہاں کے سنگلاخ علاقے میں سامان اٹھانے کا ٹوکرا جو بید یا دوسرے جنگلی پودوں کے تنکوں سے تیار کیا جاتاہے) کے ذریعے مٹی جمع کرنے لگیں۔ماں بیٹی کے کیلٹوں سے انڈیلے گئے مٹی کے ڈھیر کے نشانات اب بھی باقی ہیں۔لیکن کچھ مٹی جمع کی تھی،کہ بادشاہ کے انتقال کی خبر ملی بعض کا کہنا ہے کہ امیر کبیر سید علی ہمدانی کے وارد کشمیر ہونے کی اطلاع ملی تو دونوں کام چھوڑ کر بھاگ نکلیں، انکے اوزار بمع کیلٹے دریائے سیاچن کے پار بادشاہ کے محل کے بائیں جانب عمودی پہاڑ کے دامن میں پتھر بنے پڑے ہیں۔

قارئین کرام! یہ بون مت یا بدھ مت کے آثار ہیں کہ لوگوں کے دل اب بھی توہمات سے کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے ہیں۔قدم قدم پر بدروحوں کے خوفناک قصے بکھرے پڑے ہیں۔اور نئی نئی کہانیاں جنم لے رہی ہیں''**اللھم اھد قومی**'' اللہ اپنے بندوں کو مختلف طریقوں سے آزماتاہے۔جو ان آزمائشوں میں کامیاب ہوتاہے وہ قیامت کے دن سرخرو ہوتاہے اور جو ان واہیات اورتوہمات کے بھنور میں گرجاتے ہیں وہ عاقبت کھودیتے ہیں۔

بون مت کے بعد بدھ مت رفتہ رفتہ پورے بلتی یول ،شنگھوس ،روندو،زنسکار ،پوریک،کرگل سے لیکر لداخ اور چین تک پھیل گیا۔ اور پورے علاقے میں گونپے تعمیر ہوئے ۔بعض گونپوں کے آثار سکردو ،شگر اور خپلو میں دریافت ہوئے ہیں۔ ان گونپوں میں بدھ مت کے مبلغ اور لاما رہتے اور مذہبی تعلیم دیتے تھے۔

☆لاما ازم: پھر لداخ اور بلتستان میں بدھ مت کے مبلغ کی کوکھ سے لاما ازم نے جنم لیا۔ مہاتما بدھ کی مورتی کے بجائے مختلف لاماؤں اور انکے مورتیوں کی پوجا شروع ہوئی۔ بدھ مت اور بون مت کی آمیزش سے تہوار رسومات اور تعلیمات تشکیل پائیں۔ اور آج بھی پورے تبت میں ماسوائے بلتستان کے یہی مذاہب رائج ہیں۔ مؤخر الذکر میں 100%مسلمان بستے ہیں مگر کچھ عقائد پرانے رکھتے

ہیں۔ اور بعض رسومات بھی اب تک رائج ہیں۔

بدھ مت کے کئی فرقے بن گئے جو مختلف النوع بتوں کی پرستش کرتے ،تا ہم روحانی پیشوا دلائی لامہ ہے ۔لاما ازم کا روحانی وسیاسی مرکز ہلاسہ تبت ہے جو دیوتاؤں کی سرزمین کہلاتا ہے۔ جہاں اس مذہب کے مقدس مقامات اور مذہبی تعلیم کے جامعات ہیں۔لاما ازم اور بدھ مت کی کتب اور رسائل یہاں سے شائع کئے جاتے ہیں۔ آج کی دنیا میں تبت اور لداخ الگ الگ حکومتوں کے زیر نگیں ہیں،جو ایک وقت عظیم تبت کے جزء لاینفک تھے۔تبت کا اکثر حصہ چین اور تھوڑے حصے کے ساتھ لداخ ہندوستان میں واقع ہے۔ تبت خورد بلتستان بھی دو الگ الگ مملکتوں کے حصے بن گئے ۔وادیٔ روندو،شگر ،سکردو،مشہور سیرگاہ دیوسائی، کھرمنگ اور خپلو کے علاقے پاکستان میں جبکہ دراس،کرگل،پوریک،زانسکار کے علاوہ کھرمنگ کے کچھ گاؤں اور چھوربٹ کے کچھ گاؤں پر انڈیا نے اپنا تسلط جما لیا ہے۔

بلتستان میں بدھ مت کی اشاعت شاید اس وقت ہی شروع ہوئی جب بدھ مت ہندوستان سے نکل کر کوہ ہمالیہ کے پار ریاستوں کشمیر اور افغانستان کے شمال مشرقی علاقوں میں پھیل گیا۔افغانستان سے مہاتما بدھ کی مورتی کا جنازہ حال ہی میں نکل گیا ہے۔ اور علاقہ اس شیطان سے پاک ہوچکا ہے۔ تمام کافر دنیا کو خون کے آنسو رلاوئے ہیں۔بدھ مت کے پیروکاروں کی ماتم گساری تو سمجھ کی بات ہے مگر یورپ اور امریکہ کے واویلے سمجھ سے بالا تر ہیں۔ مہاتما بدھ ان کا نہ پیشوا تھا نہ وہ بدھ مت کے پیرو ہیں۔ مگر ایک نکتہ سمجھنے کا ہے کہ مسلم دشمنی میں کفر والحاد کی ساری طاقتیں یکجا ہیں۔ اور ہر اس کام پر اتفاق رکھتے ہیں جو مسلم کشی اور مسلمانوں کی ایذاء رسانی کا سبب ہو۔مگر افسوس! آج مسلمان فرقہ بندیوں کے دلدل میں مستغرق ہیں۔

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں　　کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

ہمارے حکمران ہر کام میں اغیار کو ناخدا بنا بیٹھے ہیں۔استعانت اللہ تعالی سے کرنے کے بجائے ہم امریکہ اور غیروں سے طلب کرتے ہیں ۔اور اغیار پر انحصار کرتے ہیں۔ قرآن وحدیث اور نبی پاک ﷺ کی زبان بولنا باعث عار سمجھتے ہیں۔ اسلامی روایات گردانتے ہیں اور اغیار کے رسوم اپنا کر بڑے طمطراق سے فخر کرتے ہیں کہ ہم ماڈرن لوگ ہیں۔ وسیع النظر ہیں۔ روشن خیال ہیں،اسی لئے مفکر پاکستان نے کہا تھا:

وضع میں تم ہو نصاری تو تمدن میں ہنود
یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود

افغانستان کے علاوہ بدھ مت پشاور،ٹیکسلا اور سوات کے علاقوں تک پھیل گیا۔ اور گونپے اور خانقاہیں تعمیر ہوئیں۔چین کا سیاح FAIHAN ۴۰۲ میں درہ سیاچن کے راستے بلتستان کے علاقے خپلو

سے ہوتے ہوئے سوات پہنچا تھا۔ FAIHAN نے بلتستان کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مذکورہ علاقوں میں بدھ مت کے آثار بہتات سے ملتے ہیں ،لیکن بلتستان میں اسکے آثار کم پائے جاتے ہیں۔جو آج بھی بلتستان کی تہذیب کا جزء لاینفک ہے۔

بلتستان میں اسلام کا آغاز ۷۸۳ھ یعنی 1381 میں ہوا۔ اور پھر تبلیغ شورع ہوئی جبکہ اسکی ابتدا مقپون ابراہیم کے ذریعے ہوئی۔جس کا ذکر انشاء اللہ آئندہ قسطوں میں کیا جائیگا۔۹۱۰ بمطابق1505 میں میر شمس الدین عراقی کے عہد میں پورابلتستان مشرف بہ اسلام ہوچکاتھا۔ جب یہاں بدھ مت کا کوئی پیرو نہ رہا تو اسکے آثار کی کون حفاظت کرتا؟ اسلامی انقلاب کے فورا بعد ہی بدھوں کے مجسمے توڑ ڈالے اور رفتہ رفتہ یکے بعد دیگرے مٹتے چلے گئے۔

گلگت بلتستان میں بھوج پتر کے درخت پائے جاتے ہیں۔ جسکی لوگ عبادت کرتے تھے ۔ اس درخت کی چھال قدرتی کاغذ ہے ۔کاغذ پر قدرتی طور پر چوڑائی کی لکیریں ہوتی ہیں۔قدیم لوگوں کا خیال ہے کہ یہ قدرتی چھاپ الف سے اللہ مراد ہے ۔ یہی وجہ ہے اخوند حضرات اسی کاغذ پر تعویذات لکھتے ہیں۔

مگر حیرت کی بات ہے کہ بون مت اور اسلامی عہد کی کوئی تحریر ان کاغذات پر نوشتہ نہیں ملی ہے۔ جن جن مؤرخین نے یہاں کی تاریخ رقم کئے ہیں،انکا زیادہ تر انحصار زبانی حکایات اور روایات پر ہیں یا کشمیر، چین، تبت سے متعلق لکھی جانے والی تاریخ کی کتاب پر ہیں جن میں یہاں کا ذکر بہت کم ہے۔

گلگت میں کتاب کا ایک بہت بڑا مسودہ جو سنسکرت زبان میں ہے اور بدھ مت پر ایک مکمل کتاب تھی ،یہ مسودہ ''نسخہ گلگت'' کے نام سے کراچی میوزم کی زینت بنی ہوئی ہے ۔بلتستان میں تحریری آثار کے نہ ملنے کی وجہ سے اسلام کی اشاعت کے بعد یہاں کا قدیم رسم الخط''AGA'' متروک ہوگیا۔ اب چند بلتی محققین اور دانشور اس قدیم رسم الخط کو پھر سے زندہ کرنے اور جمع کرنے میں منہمک نظر آتے ہیں۔ کچھ عرصہ قبل تک اس رسم الخط سے کوئی بھی بلتستانی شناسا نہ تھا۔ یہاں کی زبان وادب پر فارسی زبان کا غلبہ تھا۔ طلوع اسلام کے بعد لوگوں نے یا تو اسے بون مت اور بدھ مت کی باقیات سمجھ کر ضائع کردیے یا تبتی اور لداخی تاجروں کے ہاتھ انکے مذہبی ورثے سمجھ کر فروخت کردئے۔اسلامی عہد کی تحریریں اسلئے رقم نہیں کیونکہ جب یہاں ورود اسلام ہوا تو اسلام کے داعی یہاں کی زبان سے نا آشنا تھے۔ وہ جو کتابیں لیکر آئیں یا کتب ورسائل تصنیف ہوئے انکے لئے وہ کشمیر اور ہندوستان سے نفیس کاغذ لے آئے ۔لہذا بھوج پتر پر لکھنے کی چنداں ضرورت نہ رہی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بون مت وغیرہ میں مقدس سمجھے جانے کی وجہ سے اسلامی مبلغین نے جان بوجھ کر اس کا استعمال ترک کردیاہو۔

تاریخ سے ظاہر ہوتاہے کہ اسلام کے روحانی انقلاب کے بعد بلتستان میں موجود بون مت اور

بدھ مت کے آثار اور عبادت گاہیں تباہ کردی گئیں۔ کتابیں نذر آتش کردی گئیں، یا دریا برد کردی گئیں۔ ان آثار کو ختم کرنے کے سلسلے میں بلتیوں کا سلوک انتہائی جارحانہ تھا۔تاریخ لداخ کے مصنف مولوی حشمت اللہ رقم طراز ہیں کہ" جب علی شیر خان انچن اور اس کی فوج نے لداخ کو تاخت وراج کیا تو تمام بلتی لداخ میں پھیل گئے اور لوٹ مار کا بازار گرم کردیا۔ بزور شمشیر مذہبی کتابوں کو یا تو جلادیا گیا یا دریا برد کئے گئے اور گومپہ جات کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔ کسی بھی مذہب اور تہذیب کو یوں آسانی سے ختم تو نہیں کیا جاسکتا۔ بہت سے لوگ ایسے ہوں گے جنہوں نے انکی حفاظت کی ہوگی۔ کتب وآثار چھپاکے رکھے ہوں گے۔کچھ علاقے یا گونپے علی شیر خان انچن اور اسکی افواج یا بعد میں آنے والے اسلامی حکمرانوں کے دست برد سے بچ گئے ہوں گے۔ بہت سے آثار اور تحریریں متعدد علاقوں میں آج بھی بڑے بڑے چٹانوں پر کندہ نظر آتے ہیں۔ زمانے کے نشیب وفراز اور دور حاضر کے جدید انسانوں اور نام نہاد انسانی حقوق کی تحفظ کے علمبردار نئی نسل کے ہاتھوں بون مت اور بدھ مت کے آثار تو درکنار،اسلامی روایات بھی مسخ ہوتے نظر آرہے ہیں۔

ان آثار وروایات کے ذریعے تاریخ جمع ورقم کرنے کیلئے تحقیق اور جستجو کی ضرورت ہے، جس کا فقدان ہے اور اسلام کی ضیاء پاشیوں اور جدید دنیا کے چمکیلے دور اور مادیت کی دوڑ میں آگے بڑھنے کا اشتیاق لئے جدید مادی ریس کورس گراؤنڈ میں کسے ان قدیم تواریخ کو ڈھونڈنے کی فرصت ہے اور کس کے پاس اتنا وقت ہے کہ لمحہ بھر کے لئے بھی اپنے ماضی کو دیکھ سکیں۔

کہا جاتا ہے کہ قدیم کھنڈرات اور قلعوں کی کھدائی کے موقع پر قدیم تہذیب وتمدن کے آثار ملتے رہتے ہیں۔ راقم نے اپنا مکان جو کم ازکم پندرہ پشتوں قبل تعمیر ہواتھا دوبارہ تعمیر کرنے کا کام 1992 میں شروع کیا۔سب سے نچلی منزل کی دیوار سے ایک مخروطی شکل کا پتھر ملا۔ جو شمعدان لگتا تھا۔ مینار کی شکل کے اس پتھر پر ایک اجنبی زبان میں چاروں طرف تحریریں رقم تھیں۔ راقم کے آباء واجداد دینی پیشوا چلے آرہے ہیں۔ شاید قبل از اسلام بھی آباؤ واجداد بون مت اور بدھ مت کے پیشوا تھے۔ تین منزلہ مکان کے تہہ خانہ میں واقع اس کمرے کی شکل اور وضع قطع عبادت خانے سے مماثلت رکھتی تھی۔ آتش دان موجود تھا۔ زمین کے اندر گندم ،جو اور مکھن رکھنے کے مختلف خانے بنے ہوئے تھے۔ پتھروں پر عجیب رسم الخط میں تحریریں کندہ تھیں۔

بادشاہ جمیانگ نمگیل 1610 تا 1755 کی حکومت جنگوں میں گزری ۔انہیں اطمینان سے حکومت کرنے کا موقع نہ ملا۔ بادشاہ جمیانگ نمگیل اور اس کے بھائی راجہ ارگیال کے درمیان چنگ تھنگ کے مقام پرخونریز جنگ چھڑ گئی۔ ملک میں بدامنی اور بد سکونی کی فضا قائم ہوگئی۔ارگیال کی درخواست پر علی شیرخان انچن مقپون حکمران نے جمیانگ نمگیل پر حملہ کردیا۔جمیانگ نمگیل علی شیرخان کے طوفانی حملوں کا مقابلہ نہ کرسکا اور اس کی عظیم سلطنت سمٹنے لگی۔ علی شیرخان نے

سوت پر قبضہ کرلیا اور سرنگ ملک کو وہاں کا خود مختار حاکم مقرر کردیا۔ اور بودھ کھربو کا علاقہ اپنی سلطنت کا حصہ بنا لیا۔علی شیر خان نے ریاست کرتخشہ (کھرمنگ) کو تسخیر کرنے کے بعدگنوخ اور مرول تک ان کا تعاقب کیا۔قلعہ بودھ کھربو میں اپنا کھرپون (حاکم)مقرر کرکے حکومت لداخ کے چند دیہات کو بھی تاراج کرلیا۔رگیالفو جمیا نگ نمگیال اس کے دست برد سے خشم ناک ہوا۔اس نے انتقام کی غرض سے بودھ کھربو پر حملہ کردیا، ان سب حالات کے باوجود کہ لوسر یعنی (New Year) کی تقریبات قریب تھیں۔ عمائدین حکومت نے کوشش کی کہ بادشاہ اس تقریب کو دارالحکومت میں منائے۔مگر رگیالفو نے فیصلہ کیا کہ سال نو کی تقریب چھ فروری کے بجائے اکیس دسمبر کو منایا جائے گا۔ اس طرح اکیس دسمبر بون مت کی طرح بدھ مت کا بھی تہوار بن گیا۔ یہ تقریب آج بھی بلتستان میں اہتمام سے منائی جاتی ہے۔رگیالفو جمیا نگ نمگیل نے دسمبر کے مہینے میں بودھ کھربو کے مکینوں کے ساتھ سازباز کرکے قلعہ پر قبضہ کرلیا۔کچھ بلتی فوجی قتل ہوئے،کچھ نے جان بچاکر بھاگ نکلنے میں عافیت سمجھی۔ رگیالفو نے زوجی لا عبور کرکے پورگ پر حملہ کرنا چاہا۔ اس زمانے میں علی شیرخان لداخ لیہ پر حملے کی تیاریوں میں مصروف تھا، اس غرض سےانہوں نےچلو اورشگر کے راجہ کے ساتھ اتحاد قائم کرلیا تھا عین اس وقت بودھ کھربو سے جان بچا کر آنے والے لشکریوں نے بودھ کھربو کے چھن جانے اور سپاہیوں کے قتل ہونے کی خبر دی تو فوراً لداخ پر حملہ کردیا اور جمیا نگ نمگیل کو ملبہ کے اطراف میں چھوڑ کر سیدھا اس کے دارالحکومت پر قبضہ کرلیا۔جمیا نگ نمگیل کے قلعہ دار ان بلتیوں کے فناکن سیلاب کے سامنے تنکا بھی ثابت نہ ہوسکے۔ علی شیر خان نے رگیالپو کی دھوکہ دہی کا انتقام لینے کیلئے تمام گونپوں کو ملیامیٹ کیا۔ اپنی افواج کو خوب لوٹ مار کی اجازت دی۔ اسلامی افواج نے جی بھر کر مال غنیمت جمع کئے۔ اور پورے بلتستان میں موجود آثار کو ملیامیٹ کرڈالے۔

ذکاء اللہ نے بھی اپنی تاریخ ہندوستان اقبال نامہ اکبری میں اسکا ذکر کیاہے ۔انہوں نے اس بات کا اضافہ کیاہے کہ سیوانگ نمگیل کے عہد میں ہندوستان کے چار سو آدمی راستہ بھول گئے اور کئی دنوں تک جنگل میں بھوکے پیاسے بھٹکتے رہے۔ایک دن جنگل میں انہیں ایک ہاتھی ملا۔اس نے نہ صرف ان کی رہبری کی بلکہ انہیں بتلادیا کہ جنگل کے فلان چشمے پر تمہیں ایک مردہ ہاتھی ملے گا تم بلا حیل وحجت اس کا گوشت کھالو۔ کھانے کو تمہیں اسکے سوا اس جنگل اور سنگلاخ پہاڑوں میں کچھ نہ ملے گا۔یہ کہہ کر ہاتھی چلاگیا۔ بھٹکے ہوئے لوگ ایک موڑ کاٹ کر مذکورہ سمت کی طرف بڑھے۔ انکے پہنچنے سے پہلے ہاتھی اس مقام پر پہنچا اور اپنے آپ کو گرا کر ماردیا۔لوگوں نے موقع پر مردہ ہاتھی کو دیکھا جوان کے رہبر ہاتھی ہی کی لاش تھی۔اس سے یہ عقیدہ اخذ کیا گیا کہ یہ ہاتھی سنگیس یعنی بودھ کا جنم تھا جو انکی رہنمائی اور جان بخشی کیلئے آیا تھا۔ اس مقام پر گونپہ تعمیر ہوا۔ ٹیاکشی گون نے بلتستان کے علاقہ ٹیاکشی (جس پر 1971 کی پاک بھارت جنگ میں انڈیا نے تسلط جمالیاہے)کے مقام پر اس ہاتھی کی ایک ہڈی لاکر گونپہ تعمیر کیا۔ یہی بلتستان کا سب سے بڑا بودھ گونپہ بنا۔ کہا جاتاہے اسی مناسبت سے یہاں